سلسلہ عالیہ احمدیہ کا سب سے پہلا مشہور و معروف اخبار جسکو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا ایک بازو قرار دیا

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

الحکم

قادیان

ہفتہ وار اخبار

دور جدید

چہ گویم با تو گر آئی بہادر قادیاں بینی
دوا بینی شفا بینی غرض دار الاماں بینی

بیا در بزم مستاں تا بہ بینی عالمے دیگر
بہشتے دیگر ابلیس دیگر آدمے دیگر

چندہ سالانہ

حکومت اور والیان ریاست سے ۱۲ر
امرا و رؤسا سے ۱۵ر
معاونین سے ۱۰ر
عوام سے ۵ر
ممالک غیر سے ۱۲ر

مدیر اعلیٰ — شیخ یعقوب علی تراب احمدی عرفانی
مدیر مسئول — شیخ محمود احمد عرفانی مجاہد مصری

جلد ۴۴ | مورخہ ۷ و ۱۴ و ۲۱ اکتوبر ۱۹۴۲ء مطابق ۷ و ۱۴ و ۲۱ اخاء ۱۳۲۱ ہش | نمبر ۲۸، ۲۹، ۳۰

مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد احمدیہ لنڈن کا ایک اہم انٹرویو

ہٹلر اور اسلام

(الحکم کے لئے عربی سے ترجمہ کیا گیا)

عربی خبر رسان ایجنسی لنڈن نے حسب ذیل تار ۵ رجولائی کو مصر اور دیگر عربی ممالک کے اخبارات کو ارسال کیا جس میں مولوی جلال الدین صاحب شمس امام مسجد احمدیہ لنڈن کا ایک نہایت اہم انٹرویو تھا۔ جس کا موضوع ہٹلر اور اسلام ہے۔ مصر کے اخبارات نے اس دن اسی خبر کو شائع کیا۔ چنانچہ ہم مصر کے مشہور اخبار "الدستور" مورخہ ۵ رجولائی ۱۹۴۲ء سے اسی کا ترجمہ شائع کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

آج عربی ایجنسی کو مولانا شمس امام جامع لنڈن نے حسب ذیل بیان دیا۔ مولانا شمس برطانیہ کے اسلامی طبقے میں سب سے بڑے صاحب اثر شخص ہیں۔

آپ نے اس پراپیگنڈے کا رد کیا۔ جو نازی پراپیگنڈسٹ کرتے ہیں۔ کہ ہٹلر اسلام کا دوست ہے۔

یہ بات بالکل واضح ہے۔ کہ مولانا شمس ان لوگوں میں سے ہیں۔ جنہوں نے جرمن دعاوی کی مکمل سٹڈی کی ہے۔ اس لئے اگر اس گفتگو میں انہوں نے جرمن دعوے کو موضع تعرض خیال کیا ہے۔ تو ہمارے لئے یہ کوئی جائے تعجب نہیں۔

انہوں نے فرمایا۔ اسلامی اصول اور اس کے مبادی اس مذہب عنصری کے بالکل خلاف اور منافی ہیں۔ جس کی اشاعت نازی لوگ کر رہے ہیں۔ نازیوں کا یہ گمان کہ وہ "سادۃ البشر" ہیں۔

اور ان کے بنو جنس دنیا کی سب جنسوں سے بالا ہیں۔ یہ اسلام کے اصولوں کے بالکل خلاف ہے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے۔ ان لا حق لعربی لیسمو علی عربی سواہ۔ کما لا یحق لغیر العربی ان یعد نفسہ افضل من العربی۔ یعنی کسی عرب کو یہ حق نہیں۔ کہ وہ کسی دوسرے عرب پر اپنے کو کوئی فضیلت دے۔ اور اسی طرح کسی غیر عربی کو یہ حق نہیں۔ کہ وہ اپنے کو عربی سے افضل جانے

یہاں یہ حال ہے۔ کہ ہٹلر کا دعویٰ ہے۔ کہ جرمن عنصر "سید العناصر" ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ تمام دیگر عناصر کو ذلیل خیال کرتا ہے۔ صرف یہی ایک بات اس امر کے لئے کافی ثبوت ہے۔ کہ مسلمانوں اور ان جرمنوں میں کسی قسم کا صلہ یا اشتراک نہیں۔ جو نازی ازم کے ماننے والے ہیں۔ پھر مولانا شمس نے مذہبی آزادی کے متعلق فرمایا:۔

اسلام انسان کو اس امر کا حق دیتا ہے۔ کہ وہ اپنے مذہبی عقیدے کو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ — ھو الناصر

ایک روایت کی توضیح

(جناب بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی کی قلم سے)

خدا بھلا کرے راوی صحابیوں کا جنہوں نے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا۔ حضور پُرنور کی صحبت پائی۔ حضور کا کلام سنا۔ واقعات دیکھے۔ ان کو دلوں میں جگہ دی۔ امانت سمجھکر دماغوں کے خزانہ میں محفوظ رکھا۔ اور پھر مطالبہ پر انشراح۔ خوشی اور پوری مسرت و انبساط سے ان امانتوں کو سلسلہ کے حوالے کر رہے ہیں۔

عزیز مکرم مرزا محمد افضل بیگ صاحب مہاجر قادیان نے جس جانِ جہاں وجود باجود۔ پیکر حسن و احسان۔ کرم اتم اور رحمت مجسم کے اخلاق کریمانہ۔ عطا و سخا۔ محبت و مروت اور ایثار و غنا کی یاد تازہ کی۔ اس سے دل جذبات تشکر و امتنان سے لبریز ہو کر پگھلا جا رہا ہے۔

مرزا صاحب کی روایت نمبر ۲ مطبوعہ الفضل ۱۴ ستمبر ۱۹۴۲ء میں حضور پُرنور کی جس ذرہ نوازی کے ذکر میں خشک پیلو اور دودھ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ میں اسکی توضیح کرنا چاہتا ہوں۔ نفس واقعہ میں مجھے کوئی اختلاف نہیں۔ وہ بالکل درست اور ٹھیک ہے۔ وضاحت صرف اسی بات کی مقصود ہے۔ کہ میں نے حضرت اقدس کے دریافت فرمانے پر عرض کیا۔ کہ

"حضور پیلو کسے کہتے ہیں"

بچپنے سے میں پیلو کے علاقہ میں رہا۔ خرید کر کھانے کے علاوہ سکول سے فارغ ہو کر گھنٹوں پیلو کے درختوں پر سوار تازہ تبازہ اور بہترین پیلو کھانے کا عادی اور نہ صرف یہی بلکہ اسی واقعہ سے بہت پہلے یعنی ۱۸۹۶ء میں خود سیدنا حضرت اقدس علیہ السلام نے

(بقیہ دیکھو صفحہ ۲ کالم ۳ کے نیچے)

عیسائی اخبار "الحق" راولپنڈی کی کج فہمی

خدا کی قدرت ہے۔ کہ بعض لوگ عقل و فہم کو جواب دیکر کرسی صحافت پر آ بیٹھتے ہیں۔ انہی لوگوں میں سے ایک مدیر صاحب الحق راولپنڈی بھی ہیں۔ آپ نے کچھ عرصہ ہوا اسلام سے ارتداد اختیار کرکے عیسائیت اختیار کی ہے۔ چونکہ عیسائیت قبول کرنے کے لئے سب سے پہلی چیز یہی ہوتی ہے۔ کہ انسان عقل اور فہم کو جواب دیدے۔ اسلئے نمایاں طور پر اس کا اثر ہر اس انسان کی زندگی کے ہر قول و فعل پر پڑتا ہے۔ جو اس مذہب کو قبول کرتا ہے۔ ورنہ کون عقلمند انسان ہے۔ جو ایک "انسان" کو خدا اور خدا کا بیٹا تسلیم کرکے اسکی پرستش شروع کردے۔ مگر وہی جو خود عقل سے عاری ہو۔ انجیل نے جگہ جگہ مسیح کی بشریت کا اظہار کیا۔ جیسے کہا۔ وہ یوسف کا بیٹا یسوع ناصری۔ یوحنا ۱/۴۵ پھر لکھا ہے۔ کہ بعد اس کے وہ اور اسکی ماں اور اس کے بھائی اور شاگرد کفرناحوم کو گئے۔ یوحنا ۲/۱۲۔ پھر لکھا کہ جب مے گھٹ گئی۔ یسوع کی ماں نے اسے کہا۔ کہ ان کے پاس مے نہ رہی۔ یسوع نے اس سے کہا۔ اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام۔ ۲/۴۔

یسوع نے کہا۔ کہ میں "پیاسا ہوں" یوحنا ۱۹/۲۹۔ "سر جھکا کے جان دی" یوحنا ۱۹/۳۰۔ اس نے ان سے کہا کہ کیا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ تب انہوں نے مچھلی کا ایک ٹکڑا اور شہد کا ایک چھتا اسکو دیا۔ اس نے لیکے ان کے سامنے کھایا"۔ لوقا ۲۴/۴۲-۴۳۔

پس وہ انسان جو عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ جو کھانے پینے کا محتاج تھا جس کے بھائی بھی تھے۔ جس کے نسب کا ذکر کسی یوسف نامی شخص کا بیٹا ہونے کے ساتھ کیا جایا کرتا تھا جو ماں کی گستاخی بھی کرلیا کرتا تھا۔ اس کے انسان ہونے میں کسی صحیح الدماغ کو تو شک نہیں ہو سکتا۔ مگر اسی کو جو عقل و فہم سے آزاد ہو جائے۔ اور ایسا شخص اگر کوئی نافہمی اور ناسمجھی کی بات کرے۔ تو کوئی تعجب اور حیرت کی بات نہیں۔ مگر میں دوسرے لوگوں کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے اس کے جواب کی طرف توجہ کرتا ہوں۔

انہوں نے ۱۵ ستمبر کے پرچے میں پہلے تو اسلام پر کچھ تمسخر اڑانے کی کوشش کی۔ اور پھر الحکم کی ایک روایت پر اور پھر الحکم پر۔ ممکن ہے کہ مسیحیت میں جانے کا یہ اثر ہو۔ میں پہلے تو الحکم کی بیان کردہ روایت کے متعلق الحق کی کج فہمی کو واضح کروں گا۔ اور پھر باقی امور کا جواب لکھنے کی سعی کروں گا۔ الحق لکھتا ہے۔

نکتہ بعد الوقوع

"پچھلے دنوں معزز معاصر اہلحدیث امرتسر میں میرزا قادیانی اور ان کے فرزند ارجمند یعنی موجودہ خلیفہ قادیان کے بعض الہامات اور خوابوں کا ذکر ہوتا رہا ہے۔ اہلحدیث میں ان کو نکتہ بعد الوقوع کا نام دیا گیا ہے۔ واقعات کی نوعیت کے لحاظ سے یہ نام ہمیں بھی درست معلوم ہوتا ہے۔ اگر بنظر تعمق میرزا صاحب کلان و خورد کے خوابوں اور الہامات کو دیکھا جائے۔ تو تمام کے تمام نکتہ بعد الوقوع کے دائرے میں آ جاتے ہیں۔ لیکن میرزائیوں کا حسن عقیدت ملاحظہ ہو۔ (یہ) آنکھیں رکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھتے۔ اور بعض دماغ رکھتے ہوئے بھی نہیں سوچتے۔ کہ کوئی واقعہ ہو جانے کے بعد اس کے متعلق اپنا خواب یا الہام بیان کرنا اپنے مریدوں کو الو بنانا اور بھولے بھالے کہتے ہیں۔ اور اپنی یہ حالت ہے۔ کہ واقعات کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں"۔

اس تمہیدی نوٹ میں جس خوش بیانی اور بلند اخلاقی کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ شاید اسلام سے ارتداد اختیار کرنے کے بعد عیسائیت سے بطور درس اول ان کو ملا ہوگا۔ خط کشیدہ عبارتیں ان کی ذہنی کیفیت کی آئینہ دار ہیں۔ کیونکہ بغیر کسی ضرورت کے اپنا راستہ چھوڑ کر نیش عقرب چلانا یہ سوائے اپنی فطرتی خوبی دکھانے کے اور کچھ نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ قصہ حبشی کے شیشے والا ہی ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ کسی بدصورت حبشی نے راستے میں ایک شیشہ پڑا ہوا پایا۔ اسے اٹھا کر دیکھا۔ تو اپنی صورت نظر آئی۔ پھینک کر کہنے لگا۔ کہ اگر تو اتنا بدصورت نہ ہوتا۔ تو تجھے کوئی اس طرح راستے میں پھینکتا۔ بالکل اسی طرح جناب مدیر صاحب الحق کی حالت ہے۔ ہم تو اس پڑے ہوئے شیشے کی طرح ہیں۔ ورنہ جو تصویر ان کو نظر آئی ہے۔ وہ ان کا اپنا ہی روئے منور ہے۔

ہم نے تو خدا تعالےٰ کی چمکتی ہوئی تجلیات کو دیکھا ہے۔ ایک زندہ خدا جو مصنوعی خداؤں کو موت کی نیند سلا دینے کی طاقت رکھتا ہے۔ اسے پوری شان کے ساتھ رونما ہوتے ہوئے پایا ہے۔ اس نے ہمارے دماغوں میں ایک روشنی پیدا کردی۔ اور ہماری آنکھوں میں نور بھر دیا۔ اور ہم ہر روز اسکی نئی نئی تجلیوں کو دیکھ کر زندہ ایمان اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔

اس کے بعد الحق پھر لکھتا ہے۔ "الحکم اگست ۱۹۴۱ء کے صفحہ ۳ پر زیر عنوان "سیرت المہدی کا ایک ورق" بڑے میرزا صاحب کی زندگی کے چند واقعات پیش کئے گئے ہیں۔ روایت نمبر ۲ میں لکھا ہے۔ کہ ڈاکٹر مارٹن کلارک والے مقدمہ اقدام قتل میں ایک دفعہ حضور (بڑے میرزا) کپتان ڈگلس کے سامنے بمقام بٹالہ پیش تھے۔ ظہر کی نماز کا وقت آگیا۔ حضور (مرزا جی) نے نماز پڑھنے کے لئے عدالت سے اجازت چاہی۔ عدالت نے اجازت دے دی۔ حضور بڑے خوش ہوئے۔ اور فرمایا۔ کہ عرصہ (غالباً بیس سال فرمایا) مجھے ایک خواب آیا تھا۔ کہ میں ایک بادشاہ یا حاکم کے روبرو پیش ہوں نماز کا وقت آگیا ہے۔ اس سے نماز کی اجازت چاہی۔ اس نے مجھے اجازت دے دی۔ آج وہ خواب پورا ہو گیا۔ راوی اس واقعہ کو حضرت صاحب کی سیرت کا ایک واقعہ قرار دیتا ہے۔ اور اسکی نظر میں یہ ایک بڑی کرامت ہے۔ میرزا جی نماز کی اجازت ملنے سے اگر ایک منٹ بھی پیشتر اپنا خواب سنا دیتے۔ تو کوئی بات تھی۔ لیکن کسی واقعہ کے بعد اسے اپنے خواب یا الہام کا نتیجہ قرار دینا۔ اور پھر اس قسم کے عقیدت مند پیدا کر لینا یہ میرزا جی کا کمال تھا"۔

اس روایت میں سب سے اہم امر تو یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نماز کے اس درجہ پابند تھے۔ کہ وہ کبھی اس امر کی پروا نہ کرتے تھے۔ کہ اس وقت نماز پڑھنے سے فلاں نقصان ہو جائے گا۔ بلکہ وہ ہر حالت میں عبادت الٰہی کو مقدم رکھتے تھے۔ چنانچہ جوانی کے ایام کا ان کا مشہور واقعہ ہے۔ کہ وہ ایک مقدمہ میں پیش ہونے کے لئے تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ کہ نماز کا وقت آگیا۔ آپ نے نماز شروع کر دی۔ اور پروا بھی نہ کی کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔

اسی طرح

اس مقدمہ میں جس میں حضور پر اقدام قتل کا الزام تھا۔ حضور نے نماز کے وقت اس امر کی پروا نہ کی کہ وہ کس قدر سنگین مقدمہ میں پیش ہیں۔ جب ان کی نماز کا وقت آیا۔ انہوں نے عدالت کو توجہ دلائی۔ کہ ان کو نماز پڑھنی ہے۔ یہ ان کا ایک کیریکٹر ہے۔ اور ان کی سیرت کا ایک زبردست واقعہ ہے۔

وہ آپ کے یسوع جی کی طرح گھبرائے ہوئے نہ تھے۔ اور یہ نہ کہہ رہے تھے۔ کہ ایلی ایلی لما سبقتنی۔ بلکہ ان کو اپنے خدا پر جو زندہ خدا ہے۔ اور اپنی نئی نئی تجلیوں کے ساتھ آپ پر ظاہر ہو رہا تھا۔ ایک کامل اور مکمل ایمان تھا۔ اور ان کو یقین تھا۔ کہ یہ مقدمات دھوئیں کے بادلوں کی طرح اڑ جائیں گے۔ اور ان کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔

پس

جناب مدیر صاحب الحق اس میں سیرت کا سب سے اول واقعہ تو یہ ہے۔ کہ آپ عبادت الٰہی کو سب چیزوں پر مقدم کرتے تھے۔ آپ کے قلب میں ایک اطمینان اور سکون تھا۔ اور کسی قسم کی گھبراہٹ نہ تھی۔

باقی رہا

کہ آپ نے خواب کے واقعہ ہونے کے بعد اسے بیان کیا۔ شاید عیسائیوں میں خواب کی تعبیر واقعہ ہونے سے قبل کی جاتی ہوگی۔ ورنہ عام طریق تو یہ ہے۔ کہ خواب کی ایک تعبیر ہوتی ہے۔ اس کے کچھ پہلو مخفی بھی ہوتے ہیں۔ اسلئے جب تک وہ مخفی پہلو ظاہر نہ ہوں۔ اس وقت تک یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ فلاں خواب کی یہی تعبیر ہے۔ مثلاً اس خواب میں ایک حاکم دیکھا تھا۔ کپتان ڈگلس نہیں دیکھا۔ اگر ڈگلس صاحب کو دیکھا ہوتا۔ تو پھر خواب یوں ہوتا۔ کہ میں نے دیکھا کہ میں ایک مقدمہ میں ایک حاکم مسمی کپتان ڈگلس کے پیش ہوا ہوں۔ مگر جب وہ خواب ڈگلس کی عدالت میں پورا ہوا۔ تو آپ نے اسی وقت اس کا اظہار کر دیا۔ باقی رہا یہ امر کہ حضور اقدس نے اپنا یہ خواب کبھی بھی اور کسی وقت بھی کسی کو سنایا نہیں۔ اور یہ اسی وقت بنا لیا گیا تھا۔ تو اس کا بار ثبوت آپ پر ہے نہ کہ ہم پر۔ حضرت مسیحؑ نے فرمایا۔ کہ تم کو اپنی آنکھ کا شہتیر تو نظر آتا نہیں۔ مگر دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آ جاتا ہے۔ سو بالکل یہی حالت آپ کی ہے۔ وہ صدہا نشانات جو آتشین حروف میں نظر آ رہے ہیں۔ وہ تو آپ کو نظر نہیں آتے۔ گریٹ وار کی پیشگوئی۔ زار روس کی پیشگوئی۔ موجودہ جنگ کی پیشگوئی۔ قتل لیکھرام کی پیشگوئی۔ آتھم کی پیشگوئی۔ زلزلوں کی پیشگوئیاں۔ طاعون کی پیشگوئیاں۔ ڈاکٹر ڈوئی کی ہلاکت۔ تقسیم بنگال کے متعلق پیشگوئی۔ آپ کے مشن کے دنیا میں پھیل جانے کی پیشگوئیاں۔ اپنے دشمنوں کی ناکامیاں۔ اپنی فتح و نصرت کی پیشگوئیاں۔ اور صدہا پیشگوئیاں تو آپ کو نظر نہ آئیں۔ آپ کی آنکھوں پر ایک موٹی پٹی بندھی رہی۔ اور محروم کے محروم ہی رہے۔ کیا آپ کی حالت ان لوگوں کی سی نہیں؟ جو مچھر کو چھانا کرتے تھے اور اونٹ کو نگلا کرتے تھے۔ (باقی آئندہ)

بقیہ صفحہ اول:۔ بارہا اپنے ذاتی رومال میں باندھ کر بالائی دالان کی مغربی کھڑکی سے مجھے کوچہ میں دست مبارک سے عطا فرمائیں۔ اور میں نے کھائیں۔ اور یہ واقعات عرصہ ہوا۔ موقر اخبار الحکم میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔ تو ان حالات میں میرا بیوی کے متعلق اس قسم کا سوال کرنا ایک رنگ میں گستاخی۔ بے ادبی بن جاتا ہے۔ خدا کی پناہ۔ حاشا و کلا میں نے نہ ایسے فعل کا ارتکاب کیا اور نہ ہی خدا کے فضل سے یہ میری فطرت میں رکھا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ میں کوئی چیز مانگا نہ کرتا تھا۔ بلکہ حضور از خود از راہ احسان و ذرہ نوازی بے مانگے ہی قسما قسم کی نعماء عطا فرماتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ بارہا حضور کھاتے کھاتے مجھ ناچیز کو نوازتے۔ اور گویا دہن مبارک سے نکال کر مجھے کھلا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ واقعہ مذکورہ کے روز بھی از خود ہی یہ کرم فرمایا۔ اور چونکہ اس واقعہ کے

سیرت المہدی کا ایک ورق

روایات حضرت پیر افتخار احمد صاحب مہاجر

(۱) میرا نام افتخار احمد ہے۔ میرے والد صاحب کا نام (صوفی) احمد جان تھا۔ ان کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتاب ازالہ اوہام حصہ دوم میں کیا ہے۔ اس مضمون کے آخر میں حضور نے مجھ عاجز کو بھی یاد فرمایا ہے۔ اور احباب ارادت کے ساتھ علیحدہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

(۲) میرے والد صاحب کو حضرت اقدس ؑ کی اطلاع اس وقت ہوئی۔ جبکہ براہین احمدیہ کے تین حصے شائع ہوئے تھے۔ انہوں نے جب ان تین حصوں کو پڑھا۔ تو اسی وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عقیدت وارادت آپ کے دل میں مستحکم ہوگئی۔ اس کے بعد براہین احمدیہ کا حصہ چہارم شائع ہوا۔ تو اس کے بعد والد صاحب کی ارادت سے آپ کے اہل وعیال اور مریدین بھی ارادت مندوں میں شامل ہوگئے۔

(۳) اس وقت حضرت اقدس علیہ السلام کا مجدد ہونے کا دعویٰ تھا۔ میرے والد صاحب نے حضرت صاحب کے اس دعویٰ کو قبول کرکے اپنے دوستوں واقفوں اور ناواقفوں میں بڑی سرگرمی کے ساتھ اسکی اشاعت شروع کی۔ اور ایک طویل اشتہار بھی شائع کیا۔ والد صاحب نے علاوہ تبلیغی اشاعت کے خود اور ان کی تحریک سے ان کے مریدوں نے بھی مالی خدمت میں حصہ لیا۔ ان کی زندگی کا آخری زمانہ اسی خدمت میں گزرا۔

کر جس قدر ہو سکے۔ چندہ دیں۔ اور اشاعت کریں۔

(۴) میرے والد صاحب کو اور میرے بھائی پیر منظور محمد صاحب کو اور مجھ کو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت پہلی دفعہ اس وقت ہوئی۔ جبکہ حضور علیہ السلام ۱۸۸۱ء میں سب سے پہلے لدھیانہ تشریف لے گئے تھے۔ میرے والد صاحب اور میرے بھائی صاحب اور میں اور دیگر احباب حضور انور کے استقبال کے لئے اسٹیشن پر گئے تھے۔ حضور کی زیارت سب سے پہلے لدھیانہ اسٹیشن پر ہوئی تھی۔ میرے والد صاحب نے گاڑی آنے سے قبل ہی کہہ دیا تھا۔ کہ میں بغیر بتلائے حضرت صاحب کو پہچان لوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ حضور جب گاڑی سے اترے۔ تو والد صاحب نے بغیر کسی کے بتلائے خود ہی پہچان لیا۔ اور فرمایا۔

کر وہ یہ ہیں:

(۵) حضرت اقدس علیہ السلام نے تین روز محلہ صوفیاں میں برمکان ڈپٹی امیر علی صاحب صوفی جو میرے والد صاحب کے مرید تھے۔ قیام فرمایا۔ حضور علیہ السلام نماز پڑھنے کے لئے مسجد صوفیاں میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ والد صاحب دن کا اکثر حصہ حضرت اقدس کے پاس ہی گزارتے تھے۔ حضرت صاحب تین روز لدھیانہ میں رہے۔ زبانی وعظ ونصیحت فرماتے تھے۔ شہر والے گروہ در گروہ آتے رہتے تھے مجھے اسوقت کی حضور کی ایک تقریر کا اتنا خلاصہ یاد ہے۔ کہ ایمان اور یقین لانے کا فائدہ اس وقت ہے جبکہ کچھ اخفا بھی ہو۔ اگر معاملہ ایسا صاف اور روشن ہو جائے۔ جیسا سورج نصف النہار کے وقت ہوتا ہے۔ تو اس وقت ایمان لانے کا ثواب نہیں ہوتا۔ اجر اسی وقت تک ہے کہ یومنون بالغیب کے بموجب کچھ غیوبت بھی ہو۔ اور ایمان لایا جائے۔

(۶) دوران قیام لدھیانہ میں ایک دعوت کے موقعہ پر کسی شخص نے حضرت اقدس ؑ سے سوال کیا۔ کہ آپ بھی پیشگوئیاں فرماتے ہیں اور نجومی ورمال بھی کرتے ہیں۔ ہمیں صداقت کا پتہ کس طرح لگے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا۔ کہ الٰہی نصرت نجومیوں اور رمالوں کے ساتھ نہیں ہوتی۔ لیکن انبیاء علیہم السلام اور ماموریں کو نصرت اور کامیابی ملتی ہے۔ وہ اور ان کی جماعت روز بروز ترقی کرتی ہے۔ اور دن بدن ان کا اقبال بڑھتا ہے۔

(۷) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تین دن کے بعد لدھیانہ سے تشریف لے گئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اطلاع ملی۔ کہ حضرت اقدس ؑ شادی کے لئے دہلی تشریف لے جائیں گے اور فلاں وقت ریلوے اسٹیشن لدھیانہ سے گاڑی گزرے گی۔ والد صاحب اور لدھیانہ کے دیگر احباب پہلے سے اسٹیشن پر جا پہنچے۔ میں بھی اپنے والد صاحب کے ساتھ تھا۔ جتنی دیر گاڑی کھڑی رہی۔ حضور انور پلیٹ فارم پر ٹھہرے رہے۔ حضور کے ہمراہ جو احباب آئے تھے۔ میرے خیال میں وہ دو تین ہوں گے۔ حضور اور آپ کے ساتھی سب اپنے معمولی سادہ لباس میں تھے۔ کوئی ایسی علامت نہ تھی۔ جس سے یہ ظاہر ہو سکتا۔ کہ یہ دولہا اور یہ اسکی برات ہے۔ لیکن وہ برکتوں والا دولہا تھا حضور علیہ السلام معہ رفقاء شاید دس پندرہ منٹ تک لدھیانہ کے پلیٹ فارم پر کھڑے رہے۔ اور پھر گاڑی پر سوار ہو کر دہلی روانہ ہوئے۔

(۸) واپسی کے وقت پھر لدھیانہ کے اسٹیشن پر گاڑی ٹھہری۔ احباب نے ملاقات کی۔ والد صاحب نے پھلور کے دو ٹکٹ پہلے سے لے لئے تھے۔ اس لئے وہ میرے بھائی (پیر) منظور محمد صاحب کو ساتھ لے کر حضور کے ڈبہ میں سوار ہوگئے۔ میں ساتھ نہیں گیا۔ پھلور لدھیانہ سے پانچ میل ہے۔ گاڑی کا انجن وہاں بدلتا تھا۔ گاڑی نصف گھنٹہ وہاں ٹھہری۔ یہ میرے والد صاحب کا دلی اخلاص تھا۔ کہ اس تھوڑے عرصہ کی ملاقات کو بھی غنیمت سمجھا۔ یہ والد صاحب کی حضور علیہ السلام سے آخری ملاقات تھی۔ کیونکہ اس کے بعد والد صاحب حج کو تشریف لے گئے۔ اور واپسی کے وقت راستہ میں بیمار ہوگئے۔ اور لدھیانہ پہنچ کر چند روز بعد ہی ۱۹ ربیع الاول ۱۳۰۳ھ کو وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۹) والد صاحب نے حج کا ارادہ کیا۔ اور حضرت اقدس ؑ سے بذریعہ خط اجازت طلب کی۔ حضور نے اجازت دی اور ساتھ ہی ایک دعائیہ عبارت بھی خط میں تحریر کرکے بھیجی۔ کہ یہ میری طرف سے حج بیت اللہ میں پڑھ دینا۔ مجھے وہ وقت یاد ہے۔ کیونکہ والد صاحب مجھے بھی اپنے ساتھ ہی حج کو لے گئے تھے۔ اور بیس کے قریب مرید بھی ہمراہ تھے۔ جن میں شہزادہ عبدالمجید صاحب مرحوم مبلغ ایران اور خان صاحب محمد امیر خان صاحب (جن کی تربت بہشتی مقبرہ میں ہے) اور قاضی زین العابدین صاحب احمدی سرہندی رحمۃ اللہ علیہم بھی شامل تھے بفضل خدا وہ وقت میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ جبکہ ۹ ذوالحجہ ۱۳۰۲ھ کو میرے والد صاحب حضور علیہ السلام کا وہ خط ہاتھ میں لیکر عرفات کے میدان میں کھڑے ہوئے۔ ہم سب خدام آپکے پیچھے کھڑے تھے۔ والد صاحب نے فرمایا۔ کہ میں حضرت صاحب کی دعا بلند آواز سے پڑھتا ہوں۔ تم سب آمین کہتے جانا۔ چنانچہ والد صاحب نے وہ ساری دعا دوہرائی۔ اور ہم سب آمین کہتے گئے۔ حضور علیہ السلام کی وہ دعا جو عرفات کے میدان میں دوہرائی گئی۔ مندرجہ ذیل ہے:

” اے ارحم الراحمین! ایک تیرا بندہ عاجز اور ناکارہ پرخطا اور نالائق غلام احمد جو تیری زمین ملک ہند میں ہے۔ اسکی یہ عرض ہے۔ کہ اے ارحم الراحمین تو مجھ سے راضی ہو۔ اور میرے خطیات اور گناہوں کو بخش۔ کہ تو غفور اور رحیم ہے۔ مجھ سے وہ کام کرا جس سے تو بہت ہی راضی ہو جائے۔ مجھ میں اور میرے نفس میں مشرق اور مغرب کی دوری ڈال۔ اور میری زندگی اور میری موت اور میری ہر ایک قوت جو مجھے حاصل ہے۔ اپنی ہی راہ میں کر۔ اور اپنی ہی محبت میں مجھے زندہ رکھ۔ اور اپنی ہی محبت میں مجھے مار۔ اور اپنے ہی

میری سفر حیدرآباد سے واپسی

(آخری قسط)

انسانی ذہنیت کا ایک نظارہ

گاڑی چل رہی تھی۔ اور طرح طرح کی باتیں سننے میں آ رہی تھیں۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چڑیا گھر میں انسان بیک وقت کئی قسم کی بولیاں سنتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص خاموشی سے بیٹھکر لوگوں کی باتیں سنتا ہے تو اسے عجیب عجیب باتیں سننے میں آئیں گی۔ ہر شخص جب بات کرنے لگتا ہے۔ خواہ وہ کس قدر ہی جاہل کیوں نہ ہو۔ وہ اس وثوق سے بات کرتا ہے۔ گویا کہ اس سے بڑھ کر کوئی شخص اس بات کے اسرار ورموز کو نہیں جانتا۔ آج کل سب سے بڑا موضوع جس پر باتیں ہوتی ہیں۔ وہ جنگ ہے۔ چونکہ میں تو ہمیشہ ایسے موقعوں پر خاموشی سے باتیں سننے کا عادی ہوں۔ اس لئے اندر ہی اندر اس قسم کی باتیں سنکر لطف اندوز ہوا کرتا ہوں۔ جنگ پر گفتگو کرنے والے لوگ جب اپنی موج میں آتے ہیں۔ تو روس کے محاذ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔ گویا کہ مارشل ٹموشنکو سے ان کے بچپن کے تعلقات تھے۔ اسلئے انہوں نے روسی محاذ کا سارا نقشہ خود آپ اس بیان کنندہ کو سمجھا دیا تھا۔ اس لئے اس سے بڑھ کر کون اور واقف اسرار ہو سکتا ہے۔ اس طرح میں نے دیکھا۔ کہ جنگ کی جس چیز کے متعلق گفتگو شروع ہوتی۔ ریل کے مسافروں میں سے کوئی نہ کوئی ایکسپرٹ نکل آتا۔ ہوائی جہاز۔ جہاز سب میرین۔ مشین گن۔ بمب۔ گیس۔ ہر ایک چیز کے ماہر وہاں بیٹھے نظر آئے۔ اور لطف یہ کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہوتا۔ جس نے ان چیزوں کو ایک آنکھ بھر کے دیکھا ہو۔ یہ انسانی ذہنیت کا ایک عجیب نظارہ ہے۔ جسے دیکھ کر میں اکثر حیران ہوا کرتا ہوں۔

ایک شراب نوش مسافر

واردھا کے قریب گاڑی گئی ہوگی۔ کہ ایک مسافر نے شراب کی بوتل نکال لی۔ اور پینی شروع کی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے واہی تباہی بکنا شروع کیا۔ اس نے کمرے کے سب مسافروں کا ناک میں دم کر دیا۔ اسکی یہ حالت ساری رات رہی۔ اور اس نے اپنے شور وغل سے کسی بھی مسافر کو سونے نہ دیا۔ سوائے میرے باقی سب مسافر اس کے ساتھ لڑتے جھگڑتے تھے۔ مگر وہ سب پر غالب تھا۔ آخر صبح کے قریب یورپین گارڈ نے آکر اسے ڈانٹا اور کہا۔ کہ تم کو پولیس کے حوالے کروں گا۔ اس پر وہ شرابی

حقایق و معارف

(۴)

سورۂ ہود

(مرتبہ حضرت عرفانی کبیر)

قرآن مجید کی تحدی کی حقیقت

قرآن مجید نے اپنے منکرین پر اتمام حجت کرتے ہوئے اپنی مثل لانے کی بھی پرشوکت اور غیرفانی تحدی کی ہے۔ پانچ مختلف مقامات پر اس تحدی کو چار مختلف رنگوں میں پیش کیا ہے۔

(۱) سورہ بنی اسرائیل میں سارے قرآن کا مطالبہ ہے۔ (۲) سورہ ہود میں دس سورتوں کا مطالبہ ہے۔ (۳) سورہ یونس اور سورہ بقرہ میں ایک سورۃ کا مطالبہ ہے۔ (۴) اور سورہ طور میں صرف کلام کا مقابلہ ہے۔ خواہ ایک آیت ہی ہو۔

یہ چار مطالبے ہیں۔ بظاہر اختلاف نظر آتا ہے۔ اور سوال ہوتا ہے۔ کہ یہ اختلاف اور فرق کیوں ہے؟ بعض نے اس اختلاف کا یہ جواب دیا ہے۔ کہ یہ مطالبات ترتیب نزول کے موافق ہیں۔ پہلے قرآن کا تھا۔ پھر دس سورۃ کا۔ پھر ایک سورۃ کا۔ اور پھر کہا تھوڑا سا ہی سہی۔

میرے نزدیک (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) یہ پکی بات نہیں۔ اس میں نقص ماننا پڑیگا۔ اب کیا پیش کریں؟ اگر ایک آیت کا لانا [illegible] ہے۔ تو ایک سورۃ یا دس سورۃ یا سارے قرآن کا مطالبہ فضول ہو جائے گا۔ اور یہ قرآن مجید کی عظمت و شان کے منافی ہے۔ خدا تعالےٰ کے کلام میں تعارض اور تناقض نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ حقیقت کچھ اور ہے۔

میری تحقیق یہ ہے۔ کہ ترتیب نزول کی بحث درست نہیں۔ قرآن مجید کی یہ تحدی اور یہ مطالبہ اپنے اپنے مقام پر مکمل۔ درست۔ اور ہر زمانہ میں غیر متزلزل مطالبہ ہے۔ خواہ یہ آیات کسی وقت بھی نازل ہوئی ہوں۔

قرآن مجید کا چیلنج کئی پہلو اپنے اندر رکھتا ہے

اصل بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے جو تحدی اور چیلنج مثل لانے کا کیا ہے۔ اس کے کئی پہلو ہیں۔ ایک پہلو سے سارے قرآن کا مطالبہ کیا ہے۔ اور دوسرے پہلو سے دس سورتوں کا۔ ایک اور پہلو سے ایک سورۃ کا۔ اور پھر ایک آیت کا بھی۔ اور یہ مطالبہ جس طرح اس وقت صحیح تھا۔ آج بھی درست ہے۔ اور اس طرح ہو سکتا ہے۔ اور ہر زمانہ میں ہو سکتا ہے۔

یہ عجیب بات ہے۔ کہ قرآن کریم میں جہاں یہ چیلنج آئے ہیں۔ اموال و دولت کا مطالبہ بھی ساتھ ہے۔ سوائے سورۃ بقرہ کے جہاں صرف اس چیلنج کو دوہرایا گیا ہے۔ کیونکہ وہ مدنی ہے۔ سورہ یونس میں تحدی سے چند آیات پیشتر قل من یرزقکم من السماء والارض فرمایا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی طاقت اور جتھے کا بھی مطالبہ ہے۔ ھل من شرکاءکم میں طاقت اور جتھے ہی کا مطالبہ ہے۔ سورۃ طور میں تحدی کے بعد فرماتا ہے۔ ام خلقوا السمٰوٰت والارض بل لا یوقنون۔ اور ام عندھم خزائن ربک ام ھم المصیطرون۔ گویا یہاں بھی حکومت اور دولت کا مطالبہ ساتھ ہے۔

اور سورۃ ہود کے اس مقام میں بھی کنز اور ملک کا ذکر آیا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں تحدی کے بعد مختلف امور کا ذکر ہے۔ جیسے اویکون لک بیت من زخرف الایۃ۔ ان مقامات کو یکجائی نظر سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ چار مقامات پر طاقت۔ قوت اور دولت کا ذکر موجود ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی قرآن کی مثل کا مطالبہ ہے۔ پھر یہ عجیب بات ہے۔ کہ جس جگہ قرآن کریم یا دس سورتوں کے لانے کا ذکر کیا ہے۔ وہاں تو کفار کا مطالبہ ہے۔ کہ اس کے پاس خزانہ اور ساتھ ملک تو ہے نہیں اور جس جگہ ایک سورۃ یا سورۃ سے کم لانے کا ذکر ہے۔ وہاں خدا تعالےٰ کی طرف سے سوال ہے۔ کہ کیا تمہارے پاس کوئی طاقت اور قوت ہے۔

ان حوالجات کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ مطالبات الگ الگ قسم کے ہیں۔ بنی اسرائیل میں جہاں سارے قرآن کا مطالبہ کیا ہے۔ اس میں یہ کوئی ذکر نہیں۔ کہ یہ افتراء ہے یا نہیں۔ اور نہ دشمن سے یہ مطالبہ کیا ہے۔ کہ مفتریات سورتیں لاؤ۔ بلکہ صرف یہ کہا ہے۔ کہ سارے کے سارے مل کر بھی ایسا قرآن تیار نہیں کر سکتے۔ اس سے آگے فرمایا۔ ولقد صرفنا للناس فی ھذا القرآن من کل مثل فابیٰ اکثر الناس الا کفورًا جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اس قرآن کریم میں ہر قسم کے روحانی مطالب ہیں۔ اور جب ہر قسم کے روحانی مطالب کا مطالبہ ہو۔ تو لازمًا سارے قرآن کی مثل لانے کا مطالبہ ہونا چاہیئے۔ اگر کہا جاوے۔ کہ اس وقت تک تو سارا قرآن نازل نہ ہو چکا تھا۔ تو پھر سارے قرآن کا مطالبہ کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ بعض دفعہ مطالبات میں آئندہ زمانہ مراد ہوتے ہیں۔ اور اسجگہ بھی یہی مراد ہے۔ کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ اس کتاب کو مکمل ہو لینے دو۔ پھر اس کا جواب دے دینا۔ ابھی کیوں شور مچاتے ہو۔ ماضی کے صیغہ اس لئے استعمال کئے ہیں۔ کہ مضامین کا فیصلہ تو ہو ہی چکا ہے۔ چونکہ یہ مقابلہ مضامین کا تھا۔ اس لئے مفتریات کی شرط نہیں لگائی۔ کیونکہ اس میں یہی شرط تھی۔ کہ مل کر قرآن جیسی مکمل کتاب بناؤ۔ چونکہ قرآن ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ اس لئے امر کا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا۔ اور نہیں کہا گیا۔ کہ ابھی لے آؤ۔ بلکہ یہ کہا گیا کہ نہیں لا سکو گے۔ آگے کفار کا اعتراض دوہرایا۔ کہ یہ کونسی کتاب ہے۔ اس میں تو دعویٰ ہی دعویٰ ہوتے ہیں۔ اگر سچی کتاب ہوتی۔ تو دعوے پورے بھی ہوتے۔

دوسری آیت جس میں کفار کا اعتراض ہے۔ کہ اس کے پاس خزانہ اور ملک نہیں ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا۔ کہ دس سورتیں مفتریات لے آؤ۔ گویا پہلی جگہ پر تو دعویٰ پر اعتراض تھا کہ یہ یہ چیزیں لے آؤ۔ اور یہاں ان کے مطالبہ پر کہ اس کے پاس خزانے اور فرشتہ نہیں۔ فرمایا ہے۔ کہ ایسی دس سورتیں مفتریات لے آؤ۔ پس اس جگہ دس سورتوں کو بطور خزانہ کے اور مفتریات کو ملک کے مقابلہ میں پیش کیا ہے۔ معترضین منکرین کو کہا ہے۔ کہ اس سے بڑھ کر کیا خزانہ ہوگا؟ ایسا خزانہ تم تو پیش کرو۔ اور یہ جو کہتے ہو۔ اس کے ساتھ ملک نہیں۔ سو تم اپنے خزانہ کے ساتھ یہ بھی دعویٰ کر دینا۔ کہ یہ سورتیں ملک نے خدا کی طرف سے اتاری ہیں۔ تا تمہیں معلوم ہو جاوے۔ کہ ملک کے نزول کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے کا کیا انجام ہوتا ہے؟ اس صورت میں تم پر عذاب نازل ہوگا۔ اور تمہیں پتہ لگ جائے گا۔

گویا اسجگہ عقلی مقابلہ کے ساتھ آسمانی مقابلہ کو بھی شامل کیا گیا ہے

دس سورتوں کی تعداد کیوں رکھی؟

اور یہ جو اس جگہ دس سورتوں کی قید لگائی۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ اس جگہ قرآن کریم کے ہر رنگ میں مکمل ہونے کا دعویٰ نہ تھا۔ بلکہ کلام بعض القرآن کے متعلق تھا۔ یعنی مخالف معترض تھا۔ کہ اس کے بعض حصے قابل اعتراض ہیں۔ جیسا کہ آیت فلعلک تارک بعض ما یوحیٰ الیک سے ظاہر ہے۔ اور اسی طرح کفار کے اس سوال سے کہ اس کے پاس خزانہ اور ملک نہیں۔ پس اسجگہ عشر سور کو لیا۔ کہ تم جو حصے کمزور سے کمزور سمجھتے ہو۔ ان کے مقابلہ میں دس سورتیں بنا لو۔ دس کا لفظ اسلئے استعمال کیا۔ کہ دس کا عدد مکمل ہے۔ اور چونکہ معترض کے دعویٰ کو رد کرنا تھا۔ اس لئے اس کو دس تک سورتیں بنانے کو کہا۔ کہ ایک ہی مثال نہیں۔ تمہیں دس تک مثالیں بنانے کی اجازت ہے۔ یہ قرآن کریم کی تحدی کی عظمت ہے۔ کہ دشمن کو ہر طرح پورا موقعہ دیا ہے۔

یاد رکھو یہاں دس کا لفظ اس لئے نہیں رکھا گیا۔ کہ وہ ایک سورۃ تیار کر سکتے تھے۔ بلکہ اس لئے کہ ان کے اعتراض کو دور کرنے کا یہی بہترین ذریعہ تھا۔ کہ کئی موقعے اعتراض کرنے کے دیئے جانے۔ اور سب اس لئے نہیں کہا۔ کہ اس وقت جن معترضوں کا ذکر تھا۔ وہ بعض حصوں کو قابل اعتراض قرار دیتے تھے۔ اور سب کو نہیں۔

غرض بنی اسرائیل میں چونکہ تکمیل کا دعویٰ تھا۔ اس کے مقابلہ میں کل قرآن کی مثل کا مطالبہ کیا۔ اور ہود میں کفار کے اس اعتراض کا جواب تھا۔ کہ بعض حصے غیر معقول ہیں۔ اس لئے مطالبہ کیا۔

کہ دس موٹے موٹے ردی ٹکڑے لیکر انکی مثل پیش کرو تاکہ بعد میں وہ یہ نہ کہہ سکیں۔ کہ تم نے صرف ایک اعتراض کا حق دیا تھا۔ اس میں ہمیں غلطی لگی۔

سورہ یونس میں ایک سورۃ کا مطالبہ کیا ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ اسجگہ اپنے دعویٰ کی تائید میں سورۃ کا مطالبہ تھا۔ نہ کفار کے دعویٰ کے رد میں اس جگہ ذکر یہ تھا۔ کہ سب تصرف خدا تعالےٰ کے اختیار میں ہے۔ اور اس کے ثبوت میں قرآن مجید کے متعلق پانچ دعوے کئے گئے تھے۔ اس کے بعد فرمایا تھا۔ کہ اگر یہ سچ نہیں۔ تو پھر تم ایک سورۃ ایسی چھوٹی بنا کر پیش کر دو۔ جن میں وہ پانچ باتیں اسی طرح پیش کی گئی ہوں۔ جیسی کہ اس سورۃ میں۔ اور ہم اس کے لئے تم پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے ایک ہی سورۃ کافی ہے۔

پس چونکہ یہاں مطالبہ اپنی طرف سے تھا مطالبہ کو ہلکا کیا گیا ہے

من مثلہ سے مراد ایسے ہی مضمون والی سورۃ ہے۔ جو پہلے بیان ہو چکی ہے۔

اب رہی آخری آیت فلیاتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صادقین۔ اس جگہ سب سے چھوٹا مطالبہ ہے اور وہ صرف ایک مثال کا ہے۔ خواہ وہ ایک سورۃ سے بھی بہت چھوٹی ہو۔ اور یہ مطالبہ بھی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ہے۔ نہ کہ کفار کے دعویٰ کے رد میں۔ اور وہ دعویٰ وہ ہے۔ جو اس سورۃ کے شروع میں کیا گیا ہے۔

والطور ۝ وکتاب مسطور ۝ فی رق منشور ۝ والبیت المعمور ۝ والسقف المرفوع ۝ والبحر المسجور ۝ ان عذاب ربک لواقع ۝

یعنی یہ کتاب جس کا وعدہ طور پر دیا گیا تھا۔ اور جو لکھی جائے گی۔ اور ہمیشہ پڑھی جائے گی۔ اور دنیا میں پھیلائی جائیگی۔ اور اسلام جس کے پیروؤں کی تعداد بہت بڑھ جائے گی۔ اور نہ صرف عوام بلکہ اعلیٰ طبقہ کے لوگ روحانی اور جسمانی فضائل والے اس میں داخل ہوں گے۔ اور یہ روحانیت کا چشمہ جو مختلف ملکوں کو سیراب کرے گا۔ ان کو ہم بطور دلیل قیامت

کے پیش کرتے ہیں۔

اس ذکر کے بعد فرمایا۔ کیا یہ لوگ اس کلام کو بناوٹی کہتے ہیں۔ توجس قسم کی پیشگوئی اور پیش کی گئی ہے۔ ایک ہی پیش کردیں۔ اور مفتریات کی بھی شرط نہیں۔ خواہ پچھلی الہامی کتابوں میں سے ہی پیش کردیں۔ مگر یاد رکھیں کہ کہیں بھی اسکی نظیر نہیں ملے گی۔ یہ دعویٰ سب دعووں سے بڑا ہے۔ کہ اس میں مفتریات کی بھی شرط نہیں۔ اور بنانے یا نہ بنانے کا ہی سوال ہے۔ بلکہ اجازت دی ہے۔ خواہ خود بنالیں۔ خواہ قرض لے لیں۔ اور پھر چھوٹے سے چھوٹے مطالبے پر کفایت کی گئی ہے۔ دعویٰ کے بعد اس بات کی وجہ کہ وہ ایسا نہیں کرسکتے۔ بتائی ہے۔ کہ اس قسم کی پیشگوئی کے لئے تو آسمانوں اور زمین کے خالق اور خزانوں کے مالک اور داروغہ اور روحانی ترقیات کے مالک اور غیب کے مالک کی ضرورت ہے۔ اور یہ باتیں ان میں نہیں۔ پس یہ کیونکر اسکی مثل بنا سکتے ہیں۔

دوسرے حصہ کی یعنی پہلی کتب سے مثال لانے کی تردید کی ضرورت نہیں سمجھی۔ کیونکہ وہ کتب تو سچی تھیں۔ صرف درجہ کا سوال تھا۔

سورہ بقرہ میں بھی سورۃ یونس کی طرح ایک سورۃ کا مطالبہ ہے۔ اس جگہ قرآن کریم کے اس دعویٰ لاریب فیه هدیً للمتقین کے متعلق تحدی ہے۔ اس لئے فرمایا۔ ان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا گویا اسجگہ بھی اپنے دعویٰ کے جواب ہی میں فرمایا ہے۔ اور وہ دعویٰ یہ ہے۔ ذالك الكتاب لاریب فیه هدی للمتقین۔ غور کرو۔ سورہ یونس میں بھی تحدی سے پہلے لاریب فیه آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک سورۃ کے مطالبہ کو لاریب فیه سے کوئی تعلق اور جوڑ ہے۔ اس جگہ یہ دعویٰ ہے۔ کہ قرآن مجید اعلیٰ مدارج روحانیہ تک پہنچاتا ہے۔ پس فرمایا۔ کہ اگر اس میں شک ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔ تو اس کے روحانی اثر کا مقابلہ کرلو۔ کوئی ایک سورۃ لے آؤ۔ جو قرآن کریم کی سورۃ کے روحانی اثر کا مقابلہ کرے۔

روحانی اثرات

اس جگہ یہ دعویٰ ہے۔ کہ قرآن مجید کی کوئی بھی سورۃ انسان پڑھے۔ اس سے اعلیٰ روحانی اثرات اس کے دل پر نازل ہوں گے۔ گویا بجائے شکوک پیدا کرنے کے یہ تو شک کا قاطع ہے۔ اور یہ امر اس کے اعلیٰ اثرات سے ظاہر ہے۔ اس کے اسرار سے واقف لوگ اسکی ہر سورۃ میں اعلیٰ روحانی اثرات پائیں گے۔ تم اس کے مقابلہ میں اپنا یا اپنے معبودوں کا کلام پیش کرکے دیکھ لو۔

کیا فصاحت بلاغت اس تحدی میں شامل ہے؟

اب رہا یہ سوال کہ کیا فصاحت بلاغت بھی اس میں شامل ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یقیناً کیونکہ فصاحت و بلاغت کے یہ معنے تو نہیں ہوتے۔ کہ خاص لفظ استعمال ہو۔ یا مفہوم کو کسی خاص پیرایہ میں بیان کیا جاوے۔ حق یہ ہے۔ کہ اعلیٰ مطالب بغیر اعلیٰ الفاظ اور عمدہ تراکیب کے ادا ہی نہیں ہوسکتے۔ پس چونکہ قرآن مجید بہترین مطالب پر حاوی ہے۔ اس لئے اس کے واسطے بہترین الفاظ اور بہترین طریق ادا کو اختیار کیا گیا ہے۔ پس مثل میں وہ بات خود بخود شامل ہوگی۔

یہ چیلنج ابدی ہے، کسی خاص زمانہ سے مخصوص نہیں

قرآن مجید کی یہ تحدی اور چیلنج کسی خاص زمانہ اور وقت سے مخصوص نہیں بلکہ ہر زمانہ میں ہر ایسے شخص یا قوم کے لئے کھلا ہے۔ جو قرآن مجید کی ان صداقتوں یا دعاوی کا منکر ہو۔ اور یہ بھی کہ کبھی اور کسی وقت کوئی قوم یا جماعت اس تحدی کے لئے مقابلہ میں عہدہ برآنہ ہوسکے گی۔ چنانچہ فرمایا

فان لم یستجیبوا لکم فاعلموا انما انزل بعلم الله

و ان لا اله الا هو فهل انتم مسلمون۔

اور اگر یہ منکرین تم کو جواب نہ دیں۔ (اس چیلنج کو قبول نہ کریں یا مقابلہ میں نہ آئیں) تو جان لو۔ کہ یہ اللہ کے علم کے ساتھ اترا ہے۔ اور (دوسری بات جو اس سے ثابت ہوگی یہ ہے) ان لا اله الا هو۔ پس کیا اب بھی نہ مانو گے؟

قرآن مجید کی یہ تحدی دو ہلکی ہلکی صداقتوں کو ثابت کرتی ہے۔ اول یہ کہ قرآن مجید خدا تعالیٰ کی کتاب ہے۔ انسانی دماغ اور فکر سے بنائی ہوئی نہیں۔ دوم خدا تعالیٰ وحید و فرید ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود۔ محبوب اور مقصود نہیں۔ ورنہ اگر کوئی اور معبود ہوتا۔ تو بتوں اور شرکاء کی مدد سے کیا اس مطالبہ کا جواب نہ دیا جاسکتا۔

اس طرح پر قرآن مجید اپنی حقانیت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کی صداقت پُرشوکت تحدی سے کرکے کفار کو خطاب کرکے کہتا ہے۔ فهل انتم مسلمون۔ کہ جب تمہارا عجز اس مقابلہ میں ثابت ہوگیا۔ تو کیا پھر بھی تم حلقہ اسلام میں داخل نہ ہوگے؟

حق اور صداقت کے قبول کرنے میں بہت بڑی روک دنیا طلبی ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور آپ کی جماعت ابتداء میں دنیا اور اسکی شوکتوں اور نمائشوں سے تہیدست ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے

من کان یرید الحیوٰۃ الدنیا الآیۃ

جو کوئی دنیا کی ورلی زندگی اور اسکی زینت (مال اور اولاد) کو چاہتا ہے۔ ان کو ہم ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے اسی دنیا میں۔ دنیوی معاملات میں ان پر عیب نہ لگایا جائے گا۔ یا یہ کہ اگر وہ ظلم نہ کریں گے۔ تو اس دنیا میں ان پر عذاب نہ آئے گا۔ وہ لوگ جو دنیا کی طرف لگ جائیں گے۔ ان کے لئے آخرت میں سوائے نار کے کچھ نہ ہوگا۔ اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا تھا۔ وہ یہاں ہی رہ جائے گا۔ اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔ فنا ہو جائے گا۔

دنیا اور اس کی مالوفات اور اس کے اثرات

قرآن مجید اپنی صداقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حقانیت کو اپنے غیر متزلزل چیلنج کے ذریعہ پیش کر رہا تھا۔ اور اسی تحدی کے آخر میں ان کو ملزم کرکے ان کی فطرت اور عقل سے اپیل کرکے کہا۔ کہ جب تمہارا عجز اور بے بسی اس معاملہ میں ثابت ہوگئی۔ تو اقتضائے دیانت و شرافت یہ ہے۔ کہ اس کو مان لیا جاوے۔ مگر بعض خارجی اسباب ایسے ہوتے ہیں۔ کہ انسان کو قبول حق سے روک دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک اس آیت میں بیان کیا ہے۔ کہ دنیا طلبی کی خواہش انسان کو قبولِ حق سے روک دیتی ہے۔ پھر بتایا ہے۔ کہ دنیا اور اس کے مالوفات کی حقیقت کیا ہے۔ دنیا کیونکر حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے اثرات کیا ہیں؟

یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ اور جن اسباب سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ کوئی ان اسباب کو مہیا کرے۔ وہ نتیجہ پیدا ہو جائے گا۔ پس بتایا کہ دنیوی ترقی دنیوی اسباب سے ضرور ملتی ہے۔ اور اس کی جزا میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اور پورا بدلہ ملتا ہے۔ لیکن انہیں اعمال کا جو خالص دنیوی ہوں۔ چنانچہ یہاں صاف فرمایا۔ اعمالهم فیها۔

وہ قوم جو مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ جب تک مذہب پر عامل نہ ہو۔ ترقی نہیں کرسکتی۔ اسلام چونکہ ابدی اور غیر فانی انعامات کا وارث بنانا چاہتا ہے۔ وہ جہاں ایک طرف دنیوی ترقیات سے روکتا نہیں۔ دنیا کو اصل مقصود بنانے کی تعلیم نہیں دیتا۔ اور یہ ذہن نشین کرتا ہے۔ کہ دنیا اور اس کے اسباب دولت و ثروت یہاں تک ختم ہو جاتے ہیں۔ اگر اس دولت و ثروت کو دین کے لئے نہ لگادیا جاوے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک اور فیصلہ کن دلیل

اس آیت میں ضمناً ایک پیشگوئی ہے۔ کہ یہ جو لوگ جو دنیا اور اسکی مالوفات کے گرویدہ ہیں۔ اور اپنی دنیوی ترقیوں اپنی دولت اور کثرت پر نازاں ہیں۔ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقابلہ میں جو کوشش کریں گے۔ گو وہ اپنی ترقیات دنیوی میں ان کا پھل پائیں۔ لیکن آنحضرت کے مقابلہ میں ان کی تمام کوششیں اور مساعی بیکار ہو جائیں گی۔ اب ایک بین اور فیصلہ کن دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حقانیت پر پیش کرتا ہے۔

افمن کان علیٰ بینة الآیۃ

کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے بینہ پر ہو۔ (کھلی دلیل پر) اور اس کے پیچھے ایک گواہ بھی ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والا ہو۔ اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب گذر چکی ہو۔ جو امام اور رحمۃ ہو۔ وہ لوگ جو اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور احزاب میں سے جو اس کا انکار کرے گا۔ آگ اس کا ٹھکانا ہے۔ پس تو اس کے متعلق جھگڑا نہ کر۔ یہ یقیناً حق ہے تیرے رب کی طرف سے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

نبوت محمدیہ اور صداقت قرآنیہ کے تین گر

اس آیت میں قرآن کریم کی صداقت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حقانیت کے تین گُر بیان کئے ہیں۔ اور تین باتیں جس میں پائی جاویں۔ وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ ہر نقطہ نگاہ کے متعلق تین قسم کے لوگ ہوا کرتے ہیں۔ ایک وہ جن کے سامنے ابھی وہ پیش نہیں ہوا۔ مگر اس کے متعلق انہیں امید ہے۔ کہ پیش ہوگا۔ دوم وہ جن کے سامنے پیش ہوگیا ہے۔ سوم وہ جن کے زمانہ سے پہلے وہ واقعہ گزر چکا ہے۔

جو لوگ کسی صداقت کے منتظر ہیں۔ اور انہوں نے ابھی دیکھا نہیں۔ ان کے ایمان کی بنیاد تمام تر اخبار غیبیہ پر ہوتی ہے۔ اور جن لوگوں کے سامنے وہ صداقت آگئی ہے۔ وہ اس کو دو پہلوؤں سے دیکھتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کیا اس کے اندر کوئی ایسا ثبوت موجود ہے۔ جس سے اس کی سچائی ظاہر ہو۔ اور ثابت ہو جاوے۔ دوسرے یہ کہ اس سچائی کے متعلق جو پہلی خبریں تھیں۔ وہ اس پر چسپاں ہوسکتی ہیں؟ اور جب یہ زمانہ گزر جاتا ہے۔ تو پھر تیسری دلیل ایک اور پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ کیا اس صداقت کا زمانہ ابھی جاری ہے؟

اور اسی وقت پھر تین نقطہ نگاہ سے اس پر غور کی جاتی ہے۔ (۱) وہ صداقت اپنے اندر کیا ثبوت رکھتی ہے۔ (۲) پہلی پیشگوئیاں اس پر چسپاں ہوتی ہیں یا نہیں (۳) کیا اب بھی وہ دنیا کے لئے مفید ہے۔ یہ سوال کہ کیا اب بھی وہ دنیا کے لئے مفید ہے۔ اس کی اسی وقت ضرورت ہوتی ہے جس زمانہ میں کہ ایسے امور پیدا ہو جائیں۔ جو یہ ظاہر کرنے ہوں کہ اب اس صداقت کا زمانہ ختم ہے۔

درجہ کے لحاظ سے اپنی اندرونی شہادت سب سے اہم ہوگی۔ کیونکہ وہ اپنے وقت کے لوگوں کے لئے ہوگی۔ اور وہ شہادت جو کہ عہد میں آنے والوں کے لئے پیش کی جائے گی۔ وہ دوسرے نمبر پر ہوگی۔ کیونکہ اس کا تعلق بھی ان لوگوں سے ہوگا۔ جنہوں نے اس صداقت سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اور جو پہلے نبیوں کی طرف سے پیشگوئیاں ہونگی۔ ان کا نزول ایسے وقت میں ہوگا۔ جبکہ ابھی اس صداقت کے ماننے یا نہ ماننے کا سوال بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ پس وہ صرف تائیدی نشان ہونگے قرآن کریم کی صداقت کے لئے بھی اسی لئے یہ تین دلائل پیش کئے ہیں۔

اول۔ قرآن کریم اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے کے دلائل ہیں۔ اور یہ اپنی ذات میں دلائل رکھتے ہیں۔ اس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے۔ کہ قرآن شریف اپنے ساتھ ایسے دلائل رکھتا ہے۔ جو کہ ثابت کرتے ہیں۔ کہ قطعی طور پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اسکی تفصیل پیچھے آچکی ہے۔

دوم۔ چونکہ قرآن مجید کا زمانہ ممتد ہونے والا تھا۔ اور اس نے بعید ترین زمانہ کے لوگوں کو ہدایت دینی تھی۔ اسلئے فرماتا ہے یتلوہ شاھد منہ۔ اسکی صداقت ثابت کرنے کے لئے جب بھی اتنا عرصہ گزر جائیگا۔ کہ پہلے دلائل قصوں کے رنگ میں ہو جائیں گے۔ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے نئے گواہ آجائیں گے۔

سوئم۔ پھر فرمایا۔ کہ علاوہ موجودہ دلائل کے پہلے نبیوں نے بھی اسکی خبر دی ہے۔ جیسا کہ موسیٰ کی کتاب ہے۔ اور وہ امام اور رحمۃ ہے۔

امام جو آگے ہوتا ہے اور رحمۃ اس نے لوگوں کے لئے آسانیاں بہم پہنچا دی ہیں۔

اولٰئک یومنون۔ یہ ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔ جو امام اور رحمت کتاب موسیٰ کو مانتے ہیں۔ اور وہ ایمان لے آتے ہیں۔

پیغامیوں کے ایک اعتراض کا جواب

یہاں ایک بات یاد رکھو۔ پیغامی ایک اعتراض کرتے ہیں۔ کہ تیرہ سو برس میں کوئی نبی کیوں نہ آیا۔ آنے والے کا نام شاہد رکھا ہے۔ اور اسکی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب صداقت میں شبہ ہو۔ کہ اب بھی ماننے کے قابل ہے یا نہیں۔ پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے بعد اسوقت مامور کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ جب قرآن مجید کے متعلق یہ سوال ہو۔ کہ وہ ماننے کے قابل ہے یا نہیں۔ اور پچھلے تیرہ سو سال کے اندر یہ سوال پیدا نہیں ہوا۔ اور اب یہ حالت ہے۔ کہ مسلمان بھی قرآن کریم میں تبدیلیاں چاہتے ہیں۔ کہ احکام قرآنی میں تبدیلیاں کی جاویں۔ اس زمانہ میں یہ سوال کئی رنگ میں پیدا ہو رہا ہے۔

(۱) خود مسلمانوں میں یہ سوال پیدا ہوا ہے۔ کہ اسکی بعض تعلیمات قابل عمل نہیں رہیں۔ اسلئے تبدیلی کی ضرورت ہے۔ نماز روزہ میں ترمیم کا مطالبہ ہے۔ اور چور کے ہاتھ کاٹنے اور ورثہ کے متعلق احکام کو تبدیلی کی ضرورت پیش کی جاتی ہے۔

(۲) بعض ایسے مدعی کھڑے ہوئے ہیں۔ جیسے بہاء اللہ اور باب وغیرہ جو قرآن شریف کی شریعت کو منسوخ قرار دیکر نئی شریعت کو جاری کرنا چاہتے ہیں۔

(۳) ان نئی تحقیقات کی وجہ سے بھی شاہد کی ضرورت ہے۔ جو یورپ کر رہا ہے۔ کیونکہ علمی اور تاریخی رنگ میں قرآن کریم پر حملہ ہو رہا ہے۔ اور وہ نہ صرف یہ سوال اٹھاتے ہیں۔ کہ قرآن کریم کی صداقت اس زمانہ کے لئے ہے یا نہیں۔ بلکہ یہ بھی کہ کیا کبھی بھی وہ صداقت کہلانے کا مستحق تھا؟

یہ حالات اس زمانہ سے پہلے پیدا نہیں ہوئے۔ اور اس لئے اس زمانہ سے پہلے کسی شاہد کی بھی ضرورت نہ تھی۔

شاھد منہ کے متعلق اختلاف

شاھد منہ کے متعلق پہلے زمانہ کے لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے شاھد کے معنے رسول کریم کے لئے ہیں۔ اور من کان کے معنے مومن کئے ہیں۔ مگر یہ معنے خلاف عقل ہیں۔ اس لئے کہ رسول کریم پہلے ہیں۔ اور مومن پیچھے۔ اور یہاں من کان والا وجود پہلے ہے۔ اور یتلوا والا بعد میں۔

بعض نے شاہد کے معنے ابوبکر رضؓ اور علی رضؓ کے کئے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ یہاں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ شاھد منہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والا شاہد۔ اور حضرت ابوبکر یا حضرت علی رضی اللہ عنہما کو ہرگز یہ دعویٰ نہ تھا۔ کہ وہ خدا کی طرف سے مامور ہیں۔ اور شہادت کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ بعض نے عبد اللہ بن سلام کو قرار دیا ہے۔ مگر ان پر بھی یہی اعتراض پڑتا ہے۔ پس اسجگہ خصوصیت سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہے۔ جن کا نزول اسی طرح ہونا تھا۔ جس طرح عیسیٰ کا ہوا۔ اور جن کی آمد کی غرض یہ تھی۔ کہ وہ اسلام کی صداقت کی شہادت تازہ نشانوں سے دیں۔ اور ایسے وقت میں دیں جبکہ اسلام کی صداقت اور اسکی قوت قدسیہ کے خلاف

بہت سے امور جمع ہونے والے تھے۔

کتاب موسیٰ کی شہادتیں

کتاب موسیٰ کی شہادتیں بہت ہیں۔ مگر بڑی موٹی اور واضح وہ شہادت ہے۔ جو کتاب استثناء کے $\frac{18}{18}$ میں ہے۔ یہ امر کہ موسیٰ کی کتاب قرآن کریم کے لئے امام اور رحمۃ کس طرح ہے۔ وہ مندرجہ ذیل طریق پر ہے۔ اول پیشگوئیوں کے ذریعہ سے (۲) منہاج نبوت کو واضح کر کے (۳) تعلیم کے مقابلہ کے لحاظ سے (۴) اصول شرائع کے سمجھانے میں مدد دے کر یعنی اس کے ذریعہ سے بعض شرائع کے اصول معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً پیشگوئیوں کے متعلق۔ جنگوں کے متعلق۔ تعزیرات کے متعلق وغیرہ۔

فی مریۃ منہ تک سے کون مراد ہے

قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کے اصول پیش کرنے کے بعد ہر مخاطب کو خطاب کیا گیا ہے۔ کہ ان واقعات اور شواہد و دلائل کے ہوتے ہوئے بھی شک نہ کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہاں مراد نہیں۔ اسلئے کہ آپ تو پہلے علیٰ بیّنۃ تھے۔ اور ایک ایسی جماعت بھی پیدا ہو چکی تھی۔ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور قرآن کریم پر ایمان لاتی ہے۔ ایسی حالت میں یہ معنے نہایت ہی خلاف عقل ہوں گے۔ کہ پچھلے بیان کردہ تین دلائل سے تو ایک جماعت مومنین کی پیدا ہو گئی۔ مگر جس پر وہ دلائل نازل ہوئے۔ وہ ابھی تک شک میں ہو۔ پس یقیناً اس سے مخاطب عام ہی مراد ہے۔

احزاب کے معنے ہم مشرب گروہ یا جماعت کے ہوتے ہیں۔ یا ہر ایسی قوم جن کے اعمال اور قلوب ملتے ہوں۔ خواہ وہ ایک دوسرے کو نہ بھی ملیں۔ اسجگہ جو احزاب کا لفظ آیا ہے۔ عام طور پر اس کے معنے انبیاء کی مخالف جماعتیں ہیں۔ چونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ساری دنیا کے لئے آئے ہیں۔ اس لئے اسجگہ تمام دنیا کے مذاہب اور قومیں مراد ہوں گی۔

غرض اسی طرح پر قرآن مجید اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کو ثابت کرنے کے بعد پھر ایک اور طریق سے اسی مضمون کو ثابت کرتا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الآیۃ

اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا ہو کر افترا کرے۔ ایسے مفتری اور جھوٹے لوگ اللہ کے حضور پیش کئے جائیں گے۔ اور گواہ کہیں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے جھوٹ بولا اپنے رب پر۔ سن رکھو۔ ایسے ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مفتری کے انجام کی طرف توجہ دلا کر اپنی صداقت کا اعلان کرتے ہیں۔ کہ کلیہ قاعدہ ہے۔ کہ مفتری کامیاب اور بامراد نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کا قرب اور اسکی معیت اور نصرت اسے نہیں ملتی۔ مگر میری کامیابی میری تائید اور نصرت میری سچائی کی دلیل اور زبردست شہادت ہے۔ یہ تو مفتریوں اور صادقوں کے درمیان طریق فیصلہ ہے۔

اس آیت میں ایک لطیف بات یہ بھی بیان کی ہے۔ کہ سچے اور جھوٹے کی تو شکل سے تمیز ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جب قیامت کو جھوٹے نبی پیش ہوں گے۔ تو سچے نبی کہیں گے۔ کہ یہ وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے جھوٹ بولا۔ (قیامت میں تو ہوگا ہی میں تو سمجھتا ہوں دنیا میں ہی ان کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ اور ان کے کذب پر شہادت قائم ہو جاتی ہے۔ عرفانی)

جھوٹے مدعی جس طرح پر کامیاب نہیں ہوتے۔ وہ لوگ جو حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ بھی ناکام اور نامراد رہتے ہیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے منکرین کی ناکامی کی پیشگوئی فرماتے ہیں الذین یصدون الآیۃ جو لوگ (فریب اور دھوکہ سے) اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ عوج اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔ وہ لوگ کبھی بھی زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو سکتے۔ (ارض سے مراد ہر ملک ہوتا ہے)

ایسے لوگوں کی تدابیر اہل حق پر غالب نہیں آسکتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی انکو دوست نہیں ملتا ہے۔ (یعنے اللہ دوست ہوتا نہیں اور دوسرے ملتے نہیں نتیجہ یہ کہ ان کی تائید اور نصرت نہیں ہوتی۔ اور یہاں یہی بتانا مقصود ہے۔ کہ وہ نصرت الٰہیہ سے محروم کر دیئے جاتے ہیں) نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ان پر دوسرا عذاب ہوگا۔ اور یہ حالت ان کی اسلئے ہوئی۔ کہ نہ انہیں سننے کی طاقت تھی۔ نہ دیکھنے کی۔

اولٰئک الذین خسروا انفسھم۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کی جانیں ٹوٹے میں پڑ گئیں۔ اور جو افترا دیہ کرتے تھے۔ وہ ان کے کام نہ آئے۔ یہ امر قطعی ہے۔ کہ وہ آخرۃ میں سب سے زیادہ خسارہ پانے والے ہوں گے۔

ہاں

ان الذین اٰمنوا۔ وہ لوگ جو مومن ہوئے۔ اور انہوں نے مناسب اعمال کئے۔ اور اپنے رب کی طرف محبت اور خشوع سے جھک گئے۔ وہی لوگ جنتی ہیں۔ وہ اس میں رہتے چلے جائیں گے۔

رجعت الی اللہ

رجعت الی اللہ کے معنے ہیں خدا کی طرف توجہ میں اپنے اندر اطمینان پایا۔ یا خدا کے حضور عاجزانہ جھک گیا۔

ایسا شخص خدا تعالیٰ کی محبت میں راحت اور لذت پاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کمال روحانی کے حصول کے لئے صرف ایمان اور اعمال صالحہ کافی نہیں۔ بلکہ خدا تعالےٰ میں یقین اور تسلی اور محبت کی بھی ضرورت ہے۔ جس طرح بچہ ماں کے پاس جا کر تسلی پا لیتا ہے۔ یہی حال اس شخص کا ہونا چاہیئے۔ جو ایمان میں ترقی کرنا چاہتا ہے۔ غرض حصول کمال روحانی کے لئے ضروری ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے محبت ہو۔ اس پر اعتماد کامل ہو۔ اور اسکی طرف رجوع ہو۔

پھر مومنوں اور کافروں کو ایک مثال سے واضح کیا۔

مثل الفریقین کالاعمیٰ والاصم الآیۃ۔

حالت ان دونوں گروہوں کی اندھے اور بہرے اور دیکھنے اور سننے والے کی طرح ہے۔ کیا یہ دونوں گروہ اپنی حالت میں برابر ہو سکتے ہیں؟ پھر تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ یہاں دو حالتوں کا مقابلہ کیا ہے۔ مومن کو بینا (سوجاکھا) اور کافر کو اندھا۔ مومن کو سننے والا اور کافر کو بہرہ قرار دیا ہے۔ ان دونوں حالتوں میں جو فرق ہے۔ وہ نمایاں ہے۔ اندھا کچھ دیکھ نہیں سکتا۔ وہ اپنی راہ پر جانے کے لئے ٹھوکریں کھاتا ہے۔ اور فوراً کسی مقصد پر نہیں پہنچ سکتا۔ یہی حال کافر کا ہے۔ کہ وہ خدا تعالےٰ تک پہنچنے میں ٹھوکریں کھاتا اور بھٹکتا پھرتا ہے۔ لیکن دیکھنے والا خدا کی طرف سے آنے والے کلام اور نبیوں کو فوراً شناخت کر لیتا ہے۔ اور اپنے منزل مقصود کی طرف آسانی اور آرام سے چلا جاتا ہے۔ پھر کسی مقابلہ میں اندھا دوست دشمن میں فرق نہیں کر سکتا۔ فرض کرو لڑائی ہے۔ وہ چونکہ دیکھتا نہیں۔ اسلئے ممکن ہے۔ کہ اپنے یا اپنے دوستوں ہی کو مار دے۔ مگر جو آدمی دیکھتا ہے۔ وہ ایسا نہیں کریگا۔ (باقی)

ایک روایت

(شیخ محمد اسماعیل صاحب سرساوی کی قلم سے)

ائمہ اربعہ:۔ ایک دفعہ حضور نے فرمایا۔ کہ ہمارے آباؤ اجداد امام اعظم علیہ الرحمۃ کے اجتہاد کے ہی قائل رہے ہیں۔ اور ہمیشہ ائمہ اربعہ کی بزرگی اور ان کی خدمت دین کو مہتم بالشان سمجھتے رہے ہیں۔ اور ہم بھی امام اعظم رح کے اجتہاد کو پسند کرتے ہیں۔ اگر کوئی میرے خیالات کا مطالعہ کرے۔ اور امام اعظم کی کتابوں کو پڑھے۔ تو اسے کوئی فرق نظر نہ آئے گا۔ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے امام اعظم کی قبولیت اپنے بندوں میں بہت ڈالی۔ اور ان کے ماننے والوں کی کثرت دنیا میں رہتی ہے۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ دوسرے اماموں نے خدمت نہیں کی۔ بلکہ یہ چاروں اسلام کے قلعہ کی چار دیواریں ہیں۔ ان چاروں

سلامتی کی راہ

میرے محترم دوست اور بھائی شیخ عبدالحکیم صاحب سپلائی ڈیپارٹمنٹ نئی دہلی کا یہ مضمون محترم مولانا اجمیری صاحب نے میرے پاس الحکم میں چھپنے کے لئے بھیجا ہے۔ جسے شائع کرنے کی میں خوشی حاصل کر رہا ہوں۔ (ایڈیٹر)

آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اس کا علاج
جیسے سب جاتے رہے اب حضرت تواب ہے

جنگِ عالمگیر

آج مشرق و مغرب ایک عالمگیر طوفان کی لپیٹ میں آیا ہوا ہے۔ جس کی شدت دن بدن بڑھ رہی ہے۔ ایک سخت تباہ کن اور ہلاکت انگیز طوفان اٹھا ہے۔ جس میں لاکھوں جانیں ہلاک ہو رہی ہیں۔ ہزاروں آبادیاں ویران ہو رہی ہیں۔ لاکھوں بچے یتیم۔ لاکھوں عورتیں بیوہ اور لاکھوں نوجوان موت کے گھاٹ اتارے جا رہے ہیں۔ گویا چاروں طرف ایک قیامت برپا ہے۔

دنیا کی تمام قومیں ایک دوسرے پر حملہ آور ہیں۔ اور ایک دوسرے کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر تلی ہوئی ہیں۔ دنیا کی مایۂ ناز تہذیب جو کل تک ایک خوشنما لباس میں امن کی شہزادی بنی ہوئی تھی۔ آج اپنے اصلی روپ میں ایک تباہ کن ڈائنامیٹ کی طرح دنیا کے امن کی عمارت کو پاش پاش کر رہی ہے۔ اور بربریت کا وہ کچھ مظاہرہ ہو رہا ہے۔ جسے نسل انسانی نے نہ کبھی پہلے سنا نہ دیکھا۔ الامان۔ الحفیظ

آج تمام کرۂ ارض ایک ایسے دور سے گذر رہا ہے۔ جسے ہم تباہی اور بربادی کا دور کہہ سکتے ہیں۔ ایک قوم دوسری قوم پر اس طرح جھپٹ رہی ہے۔ جیسے عقاب اپنے شکار پر گرتا ہے۔ اور آنِ واحد میں اسے دبوچ لیتا ہے۔ شہروں کی بربادیاں۔ بستیوں کا اجڑنا۔ حکومتوں کا تہ و بالا ہونا بتاتا ہے کہ دنیا میں کوئی بہت ہی بڑا گناہ کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ عذاب نازل ہوا۔ اور یہ عذاب نہ ٹلے گا۔ جب تک اس گناہ سے دنیا توبہ نہ کرے گی۔ آج سے چند سال پہلے کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ کہ دنیا پر کوئی ایسا عذاب آئے گا۔ جو آنِ واحد میں اس کا نقشہ پلٹ دے گا۔ لیکن خدا کے نوشتے کون ٹال سکتا ہے۔ آج سے چالیس برس پہلے جبکہ دنیا نہایت امن و امان میں زندگی بسر کر رہی تھی۔ خدا کے ایک فرستادہ نے بدیں الفاظ دنیا کو ڈرایا۔ اور انہیں بتایا۔ کہ اے بنی نوع خدا نے مجھے تمہاری اصلاح کے لئے بھیجا ہے۔ اگر تم غفلت میں پڑے رہے۔ اور خدا کی طرف رجوع نہ کیا۔ تو تمہیں عذاب الٰہی پکڑے گا۔ بہتر ہے تم صاف دل ہو کر خدا کے آستانہ پر گرو۔ اور سچائی کو اپنا شعار بناؤ۔ لیکن افسوس دنیا نے اس طرف توجہ نہ کی۔ اور اپنی بے راہ روی میں چلتے گئے۔ اور اس لاپرواہی کے نتیجے میں جنگ عظیم جیسی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ خدا نے پھر دنیا پر رحم فرمایا۔ اور اس عذاب کو ٹال دیا۔ کہ شاید مخلوق اپنی اصلاح کرے۔ اور مہلت دی۔ لیکن وائے افسوس۔ وہ سبق بھی دنیا نے جلد بھلا دیا۔ اور آج جنگ عالمگیر جیسی مصیبت دنیا کے سامنے ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وہ الفاظ جن سے حضور نے آج سے چالیس برس پہلے دنیا کو مخاطب کر کے ... آپ نے فرمایا۔

"مبارک ہے وہ جس نے مجھے پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں۔ اور میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے۔ کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔ اس نے اس سلسلہ کے قائم کرنے کے وقت مجھے فرمایا کہ زمین میں طوفانِ ضلالت برپا ہے۔ تو اس طوفان کے وقت یہ کشتی تیار کر۔ جو شخص اس کشتی میں سوار ہوگا۔ وہ غرق ہونے سے نجات پائے گا۔ اور جو انکار میں رہے گا۔ اس کے لئے موت درپیش ہے۔" (کشتی نوح)

پھر فرمایا:۔

"اے یورپ تو بھی امن میں نہیں۔ اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں۔ اور اے جزائر کے رہنے والو۔ کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کریگا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں۔ اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا۔ اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے۔ اور وہ چپ رہا۔ مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا۔ جس کے کان سننے کے ہوں سنے کہ وہ وقت دور نہیں۔ میں نے کوشش کی۔ کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں۔ پر ضرور تھا۔ کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ اس ملک (ہند) کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔ نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائیگا۔ اور لوطؑ کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لوگے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۶)

پس شہروں پر آگ کا برسنا۔ اور پرامن شہریوں کا تباہ ہونا۔ معصوم بچوں اور بوڑھوں اور عورتوں کا کشت و خون بتاتا ہے کہ یہ جنگ عذاب الٰہی ہے۔ اور کوئی ملک گیری کی جنگ نہیں۔ بلکہ دنیا کی تباہی اور بربادی کا سامان اور شدید عذاب الٰہی کا اظہار ہے۔ جو بتاتا ہے کہ دنیا پر کوئی بہت ہی بڑا گناہ کیا جا رہا ہے۔ پس جب ہم غور کرتے ہیں۔ تو قرآن کریم میں لکھا پاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

(۱) ان الشرک لظلم عظیم۔ یعنی شرک سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں۔ پھر دوسری جگہ یہ الفاظ ہیں:۔

(۲) تکاد السمٰوٰت یتفطرن منہ و تنشق الارض و تخر الجبال ھدًّا۔ ان دعوا للرحمٰن ولدًا۔ قریب ہے۔ کہ آسمان پھٹ جاویں اس سے اور پھٹ جاوے زمین اور گر پڑیں پہاڑ کانپ کر اس سے کہ دعویٰ کیا انہوں نے رحمٰن کے لئے اولاد کا۔

... جا رہے ہیں۔ اور کرہ ارض کا بڑا حصہ آج ان میں مبتلا ہے۔ مثلاً ابنیت مسیح کی تعلیم دے کر شرک کا وہ راستہ کھولا گیا ہے۔ جس سے خدا تعالیٰ کا غضب بھڑکا۔ اور خدا نے فرمایا۔ کہ قریب ہے۔ کہ زمین اور آسمان پھٹ جاویں۔ کہ لوگوں نے خدا کے لئے بیٹا تجویز کیا۔ پھر کفارہ کی تعلیم دے کر گناہ کا وہ دروازہ کھولا گیا۔ جیسے ایک دریا کا بند ٹوٹ جائے۔ جب دنیا کو یہ تعلیم دی گئی۔ کہ ان کے گناہوں کا بوجھ تو حضرت مسیح نے اٹھا لیا۔ اور ان کے گناہوں کے بدلے وہ مصلوب ہوئے۔ تو دنیا جس قدر بھی گناہ کرے تھوڑا ہے۔ اور جس قدر فسق و فجور دنیا میں پھیلے کم ہے۔ پس یورپ کی وادیوں سے اس عذاب کا اٹھنا بتاتا ہے۔ کہ خدا کا غضب بھڑکانے والے یہی دو گناہ ہیں۔ یعنی اول شرک دوسرا گناہوں میں بے باکی اور شوخی اور جب تک دنیا ان دو ظلموں سے باز نہ آئے گی۔ یہ عذاب نہ ٹلے گا۔ اور تاریخ عالم اس امر پر گواہ ہے۔ کہ جب کبھی قوموں پر عالمگیر عذاب آیا۔ وہ خدا تعالیٰ کی شدید نافرمانی اور گستاخی اور اس پر قائم رہنے کے سبب آیا۔

ظاہر ہے۔ کہ آج کروڑوں انسان اس حی و قیوم خدا سے دور اور باغی ہیں۔ جو ان کا خالق و مالک ہے۔ انہوں نے اس کے شریک ٹھہرائے۔ اور اس کی سلطنت کو بھول گئے۔ ابن آدم کی تعلیم دینے والے ذرا غور تو کریں۔ کہ بقول ان کے حضرت مسیح بنی اسرائیل کے لئے کفارہ ہوئے۔ وہ تو صرف ایک قوم پر عذاب تھا۔ لیکن آج تمام دنیا عذاب میں مبتلا ہے۔ اس کے لئے کیا چیز کفارہ ہونی چاہیئے۔ اور جب مسیح کا خون دنیا کے لئے کفارہ ہوگیا تو پھر یہ عذاب کیسا؟ پس یہ خیال ہی باطل ہے۔ کہ خدا کی سلطنت میں کسی اور کو بھی دخل ہے۔ ہمارے نزدیک اس عذاب کا علاج صرف ایک ہی ہے۔ اور وہ خدائے واحدِ یگانہ پر ایمان ہے۔ اور پھر اعمال صالحہ سے اس کی آبپاشی دنیا کو اس عذاب سے چھڑا سکتی ہے۔

حقیقی امن کی واحد راہ

پس آج یقینی طور پر یہ امر ظاہر ہے۔ کہ موجودہ عذاب سے نہیں بچا جا سکتا۔ جب تک قومیں اور افراد اس شرک سے توبہ نہ کریں۔ اور خدائے واحد کی بادشاہی کا اقرار نہ کریں۔ اور اس تعلیم کو اختیار نہ کریں۔ جو دنیا میں امن کی ضامن اور سلامتی کی علمبردار ہے۔ اور وہ راہ دین اسلام ہے۔ نازی ازم اور فیسزم دنیا کو کبھی امن نہیں پہنچا سکتے۔ اور نہ کوئی اور مغربی خود ساختہ اصول دنیا کی سلامتی کا موجب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان اصولوں کی بنیاد خدا ترسی اور بنی نوع کی شفقت اور صداقت پر مبنی نہیں۔ اور نہ اصلاح خلق ان کا مدعا ہے۔ بلکہ ایک خاص قوم اور طبقہ کی برتری اور خود غرضی پر مبنی ہیں۔ بھلا ایسے اصول خلق خدا کے لئے کیا فائدہ دے سکتے ہیں۔ جن پر چل کر وہ قومیں بھی امن نہ پا سکیں۔ جنہوں نے انہیں ایجاد کیا۔ یاد رہے۔ جب تک یہ اصول دنیا میں قائم رہیں گے۔ دنیا ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے گی۔ اور کشت و خون کے طوفان برابر اٹھتے رہیں گے۔ ایک قوم دوسری قوم پر برتری حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ بے چین رہے گی۔ اور معصوم مخلوق خدا ان کے جنون کی ہمیشہ تختہ مشق بنی رہے گی۔

پس حقیقی امن کی تعلیم کا علمبردار صرف اسلام اور اسلام ہی ہے۔ جس پر چل کر آج دنیا ان عذابوں سے بچ سکتی ہے۔ اور یہی آگ دنیا کے لئے گلزار بن سکتی ہے۔ منجملہ ان اصولوں کے ہم چند اصول اسلام اس جگہ پیش کر کے ہر ایک بہی خواہ بنی نوع سے اپیل کرتے ہیں۔ کہ وہ ان پر غور کریں اور نہایت سنجیدگی سے غور کریں۔ تا دنیا پھر امن کا منہ دیکھے۔ اور خدا کی تقدیس پھر دنیا میں قائم ہو کر عذابوں اور جنگوں کا خاتمہ ہو۔ اے کاش کہ وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں ...

ایڈیٹر فاروق کی سیرت کا ایک ورق

(جناب رشید احمد خاں صاحب کی قلم سے)

میرے مکرم عزیز حضرت میر قاسم علی صاحب مرحوم سلسلہ احمدیہ کے مشہور جرنلسٹ تھے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے مخلص شیدائی اور پرجوش و پرمحبت خادم تھے۔ میرے پرانے واقف اور مہربان تھے۔ میں سال ۳۷ء میں اپنی ملازمت پنجاب پولیس سے پنشن لیکر قادیان اپنے پیارے امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ کی نگری میں ہجرت کرکے آیا۔ اور نظارت امور عامہ میں سلسلہ حقہ کی دینی خدمت انجام دینے لگا۔ مرحوم سے بھی اکثر ملنے کا اتفاق ہوتا رہا۔ مرحوم نے ظاہر کیا۔ کہ ان کی اہلیہ مرحومہ فوت ہو چکی ہیں۔ جس کا ان کو بیحد رنج و افسوس ہے۔ دوسری شادی کی فکر میں کوشش اور دعاؤں میں لگا ہوا ہوں۔ کیونکہ مرحومہ بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہے۔ غیروں کے دو بچے مرحومہ بیوی کی تحریک پر پرورش کئے تھے۔ جو اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہیں۔ اور مجھے تمنا ہے۔ کہ میرے حقیقی اولاد ہو۔ اس پر میں نے مرحوم سے کہا۔ کہ اب آخری عمر میں آپ کو شادی کی کیا فکر کرنی چاہیئے جن کو پرورش کیا ہے۔ ان سے اور ان کے بیوی بچوں سے خدمات حاصل کرنا چاہیئے۔ اس پر مرحوم رو پڑے اور ہچکی بندھ گئی۔ اور کہا کہ اگر یہ بات میسر ہوتی۔ تو میں شادی نہ کرتا۔ اس لئے میں اور میرے احباب کوشش کر رہے ہیں۔ آپ بھی کوشش کریں۔ احسان مند رہوں گا۔ چنانچہ چند عرصہ کے بعد مرحوم نے میری دختر کے لئے مجھ سے سلسلہ جنبانی شروع کی۔ اس پر میں نے مرحوم کو جواب دیا۔ کہ میری دختر آپ کے حسب حال نہیں۔ ع چہ نسبت خاک را بعالم پاک۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بزرگ صحابی اور سلسلہ حقہ کے قابل قدر خدمات انجام دینے والے مبلغ اور دین اسلام کی تائید میں عیسائیوں اور آریوں کا مقابلہ میں نمایاں طور پر ناطقہ بند کرنے والے اور میں ایک غریب ناقص کمزور اللہ کا بندہ۔ اس لئے کوئی مناسبت نہیں پائی جاتی۔ اس پر مرحوم سرنگوں ہو گئے۔ اور رو کر فرمایا۔ کہ میں آپ سے توقع رکھتا ہوں۔ میں نے دلجوئی کی۔ اور کہا۔ کہ حسب سنت حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ اس معاملہ میں استخارہ کرلیں۔ میں بھی انشاء اللہ استخارہ کروں گا۔ تقریباً دو ماہ استخارہ و دعا کرنے کے بعد فریقین کا انشراح صدر ہو گیا۔ اور برضاء الٰہی میری دختر رشیدہ بیگم سے سال ۳۸ء میں بذریعہ خطبہ نکاح مکرمی حضرت مفتی و مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب سلمہ اللہ اندرون مسجد مبارک بعد نماز عصر مرحوم کا عقد ہو گیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد اپنے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی زیر دعا بشمولیت چند بزرگان سلسلہ احمدیہ حقہ میں نے دختر خود کا رخصتانہ کر دیا۔ مرحوم میرے گھر ہر روز معہ اپنی اہلیہ جبکہ میں دار البرکات رہا کرتا تھا۔ تشریف لاتے۔ اور چند گھنٹہ قیام کرکے معہ اہلیہ خود چلے جاتے۔ یہ سلسلہ چھ ماہ تک جاری رہا۔ اس کے بعد ایک دن فرمانے لگے۔ کہ آپ معہ اہل و عیال ہمارے مکان کے ایک حصہ میں رہا کریں۔ میرے گھر والوں نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ ہم اسی طرح پر دور سے ہی خدمت و خاطر کریں گے۔ اور مثل ہے۔ کہ پائخانہ اور سمدھیانہ دُور کا ہی اچھا ہوتا ہے۔ اس پر مرحوم بہت ہنسے اور تقریباً دو ماہ تک اصرار کرتے رہے۔ کبھی مجھ سے اور کبھی میری بیوی سے۔ مرحوم ہمیشہ مجھے خانصاحب اور میری اہلیہ کو آپا کے لفظ سے خطاب کیا کرتے تھے۔ میں یا میری اہلیہ جب کبھی مرحوم کے مکان پر جاتے تو مرحوم ہمیں دیکھ کر اگر لیٹے یا بیٹھے ہوتے۔ تو فوراً مودبانہ کھڑے ہو جاتے۔ جب تک ہمیں بٹھا نہ لیتے۔ اس وقت تک نہ بیٹھتے۔ مرحوم ہمیشہ خندہ پیشانی اور خوش و خرم رہتے۔ آخر کار ہمیں اپنے مکان کے ایک حصہ چوبارہ میں جگہ دی اور رکھ لیا۔ اور یہاں پر بھی ہر روز آتے جاتے رہے۔ اور فرماتے۔ مجھے اس شادی میں برکت ہی برکت نظر آتی ہے۔ شادی سے پہلے فاروق کی اشاعت تقریباً دو سو تھی۔ شادی کے بعد اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل کیا۔ کہ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ کی توجہ اور شفقت کی نظر فاروق پر پڑی اور حضور نے اس قدر اعانت فرمائی۔ کہ دن بدن فاروق بڑھنا شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ تیرہ سو تک اشاعت کو پہنچ گیا۔ مرحوم نے صرف ایک ملازم گھر کے کام کے لئے اور ڈاکخانہ میں اخبار فاروق پہنچانے کے لئے رکھا ہوا تھا۔ اخبار کا تمام کام مرحوم خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ تعلق ہونے کے بعد میں انتظامی کاموں میں ان کی مدد کرنے لگا۔ تو انہوں نے میرا نام بطور منیجر اخبار پر لکھنا شروع کر دیا۔ جب میں نے دریافت کیا۔ کہ میرا نام کیوں لکھ دیا۔ تو فرمانے لگے۔ کہ مالک آپ ہی ہیں۔ مرحوم ہمیشہ خوش خلقی سے پیش آتے۔ اور اعانت فرماتے۔ مرحوم کی تحریک پر میں نے ایک دوکان کتابوں کی محلہ مسجد مبارک کے بازار میں کھولی۔ اور اس کا نام کتب خانہ قاسم العلوم رکھا۔ اور فاروق ایجنسی اور برانچ دفتر اخبار فاروق قرار دیا۔ تو مرحوم بہت خوش ہوئے۔ مرحوم ہمیشہ ہر روز بوقت بعد نماز عصر میری دوکان پر تشریف لاتے۔ اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب سلمہ اللہ جو میرے بہت پرانے کرمفرما ہیں۔ وہ بھی تشریف لے آتے اور دیگر احباب بھی آجاتے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی باتوں اور کاموں کا تذکرہ رہتا۔ جو حاضرین کے واسطے موجب ازدیاد ایمان ہوتا۔ مرحوم کے ایام علالت طبع میں علاج معالجہ کے لئے میں اور میرے اہل و عیال ہمہ تن معروف رہے۔ اور کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہ کیا گیا۔ مرحوم ہمیشہ اپنی اہلیہ کو یہ وصیت کرتے رہے۔ کہ میرے بعد میرے تمام مکان کی مالک تم ہو۔ اور میرے قرضے اور وصیت کے ادا کرنے کا انتظام تم نے کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اور ہم پسماندگان مرحوم کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

بقیہ مضمون صـ۳۔ ریلوے حکام کو توجہ دلانے کی غرض سے لکھا ہے۔ اگر ریلوے حکام سختی سے اس امر پر نوٹس لیں۔ کہ کسی شخص کو چلتی گاڑی میں شراب پینے کی اجازت نہ ہو۔ تو یہ پبلک پر ایک بڑا احسان ہو گا۔

ایک فوجی مسافر ریل سے گر پڑا

دوسرے دن صبح کو یکدم چلتی گاڑی رکی۔ معلوم ہوا۔ کہ ایک فوجی مسافر جو پائدان پر کھڑا تھا۔ وہ ایک واٹر پمپ سے ٹکرا کر گر پڑا ہے۔ گاڑی رکنے کے ساتھ سینکڑوں آدمی دوڑے گئے۔ اور اس بیہوش آدمی کو جو زخمی ہو چکا تھا۔ اٹھا کر لے آئے۔ ایک گھنٹہ تک گاڑی رکی رہی۔ یہ فوجی نوجوان چلتی ٹرین پر دوڑ کر سوار ہونے۔ کھلے دروازے میں کھڑے ہونے اور پائدانوں سے لٹکنے میں ایک لذت محسوس کرتے ہیں۔ مگر ان کا یہ فعل بعض اوقات اپنی زندگی سے بیہودہ مذاق بن جاتا ہے۔

برما کے زخمی

میرٹھ سے دس برمی فوج کے زخمی ہوشیارپور کیمپ کو جانے کے لئے سوار ہوئے۔ کسی کی ٹانگ کٹی ہوئی تھی۔ کسی کے ہاتھ پر زخم تھا سب نوجوان تھے۔ ایک خوبصورت تعلیم یافتہ نوجوان جو مسلمان تھا۔ اس کے جبڑے میں گولی لگی تھی۔ اس کا منہ کھل نہیں سکتا تھا۔ ان زخمیوں کے لئے جگہ نہ تھی۔ میں نے اپنی سیٹ پر سے جتنی ممکن جگہ ہو سکتی تھی۔ ان کو پیش کی۔ وہ میرے قریب بیٹھ گئے۔ اور میں جنگ کی ہولناکیوں کا ایک نظارہ تو ان کو دیکھ کر کر رہا تھا۔ اور ایک اپنے چشم تصور میں کر رہا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے اس زمانے کا مرسل تھا۔ جس نے دنیا کو سالہا سال قبل آنیوالے خطروں سے ڈرایا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے خدا کی وحی یکے بعد دیگرے آنے لگی۔ آسمان حملے کریگا کھینچ کر اپنی کٹار دنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا۔ آسمان اسے قبول کریگا۔ اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی کو ظاہر کریگا۔ کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کشتیاں۔ ماکنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا وغیرہ وغیرہ پیشگوئیاں میرے سامنے آنے لگیں۔ اور